ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

بانو قدسیہ کے افسانوں میں تصوّف۔۔۔۔تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ساجدہ پروین
وزٹنگ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:

If the mutual relationship of Sufism and literature is studied, a deep and indelible relationship between them seems to be established from eternity. The general core of Sufism is based on the division of God, man and time, and all the activities of literature are also based on the same curriculum. Goes around. The second thing is that whether it is a mystical incident or a true literary experience, one common value in both is to create a culture of human being and to create a passion in his mind and to lift him above the illusion of momentary pleasures and to make others aware of his thoughts, views and behavior. The reason is to create openness to empathy and adaptability. This is the reason why most of our Sufis were simultaneously Sufis and poets. There are some famous and prolific creators in Urdu fiction who present Sufism in action. The essence of his stories is to lead the characters of the society to their true origins. One such writer is Bano Qudsia. His name needs no introduction in Urdu fiction. Bano Qudsia has often described the importance of human materialism in her stories.

Keyword:

تصوف،اردوافسانہ،اسلوب، عیش وعشرت، ٹائیگرازم

تصوّف اور ادب کے باہمی رشتے کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں میں ایک گہرا اور ان مٹ تعلق ازل سے قائم دکھائی دیتا ہے کہ تصوف کا عمومی مرکزہ خدا،انسان اور وقت کی تقسیم پر استوار ہے اور ادب کی تمام تر سرگرمی بھی اسی نصاب کے گرد طواف کرتی ہے۔دوسری بات یہ کہ صوفیانہ واردات ہو یا سچا ادبی تجربہ،دونوں میں ایک قدرِ مشترک انسان کی تہذیب اور اس کے من میں گداز پیدا کرنا ہے اور اسے لمحاتی لذتوں کی دل فریبی سے اوپر اٹھا کر اپنے فکر و نظر اور طرزِ عمل سے دوسروں کے لیے دردمندی اور اپنائیت کی کشادگی پیدا کرنا ہے۔یہی سبب ہے کہ ہمارے بیشتر صوفیائے کرام بیک وقت صوفی اور شاعر ادیب تھے۔

اُردو افسانے میں چند ایسے نامور اور نباض تخلیق کار ہیں جو تصوف کی عملی صورت پیش کرتے ہیں۔ان کی کہانیوں کا لب لباب معاشرے کے کرداروں کو ان کی اصلیت کی طرف لے کر جانا ہوتا ہے۔ایسے ہی قلم کاروں میں ایک بانو قدسیہ ہیں۔ان کا نام اُردو افسانہ نگاری میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔بانو قدسیہ نے انسانیت کی مادیت پرستی میں اس قدر محویت کو اپنی کہانیوں میں اکثر بیان کیا ہے۔ان کی کہانیوں کا موضوع عام طور پر وہ لوگ ہیں جو معاشرے کی اوپری سطح پر موجود ہیں جن کو دیکھ کر لوگ اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔معاشرے میں ایک ایسی ایلیٹ کلاس ہوتی ہے جن کی تقلید قابل فخر سمجھی جاتی ہے۔جن کی عیاشیوں کی داستانوں پر لوگ عش عش کر اٹھتے ہیں۔بانو قدسیہ نے ایسے کرداروں کی اندرونی کہانیوں کو تخلیق کیا ہے۔ان کی انفرادی کشمکش کے رجحانات کو تصوف کے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

بانو قدسیہ ایک مصلح کی حیثیت سے اپنی کہانیوں میں نظر آتی ہیں۔ان کو نئی جنریشن کے اسلام سے دور ہونے کا جو دکھ ہوتا تھا وہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔کبھی وہ مادیت پرستی کی بے راہ روی کو طنز کا نشانہ بناتی ہیں تو کبھی کسی مرکزی کردار کی نفسیات کو گہرے مشاہدے کے بعد خدائے واحد و برتر کے دربار کی طرف رخ کرنے اور اس دنیا میں انسان کے آنے اور اپنی ذات کو پہچاننے کے نکتے ظاہر کرتی ہے۔

افسانہ "سنہری فصل" کا مرکزی کردار نعیم چوہدری بی۔اے کرنے کے بعد گاوں میں رہائش پذیر تھا اور اپنی زندگی کے بارے میں ہمہ وقت پریشان رہتا تھا۔اگرچہ اس کے

پاس زمین بہت اچھی تھی اور فصلیں بھی بے بہا تھیں مگر وہ اس ساری روٹین سے ہٹ کو خود کو پہچاننے سے قاصر تھا:

"حویلی کے چوبارے میں وہ پچھلے چار سالوں سے تنہا رہتا تھا۔ بی۔اے کئے بھی اسے اتنا ہی عرصہ ہوا تھا۔ ان چار سالوں میں اس نے رینگ رینگ کر اپنے آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اب اسے پتہ چلا کہ آدمی خدا کی طرح اپنے آپ کو بھی کبھی ڈھونڈ نہیں سکتا۔ ذات کی تلاش، خدا کی تلاش سے کچھ کم مشکل نہ تھی۔"(1)

اپنی ذات کی تلاش کرنا ہی حقیقت کی تلاش ہے۔ اسی تلاش پر مشتمل یہ کہانی انسانیت کی حقیقت کی کئی پرتیں کھولتی ہے۔ یہ تصوف ہی کی ایک اہم شکل ہے۔ تصوف مادیت کو روحانیت، زمین کو آسمان، سائے کو اصل، مجاز کو حقیقت اور انسان کو خدا سے ہم آہنگ کرنے کا نام ہے۔ صوفی کائنات کو حقیقی نہیں بلکہ اصل کا سایہ سمجھتا ہے اور جب تک انسان کو خود اپنی حقیقت پتا نہ چلے وہ نہ اس کائنات کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کائنات کے بنانے والے کو۔ قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ.وَفِیٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ(۲)

"اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہارے نفسوں میں بھی، پس کیا تم غور سے نہیں دیکھتے۔"

بانو قدسیہ کا یہ کردار اپنی ذات کی تلاش کے لیے اسی مربع زمین کو بیچ دینا چاہتا ہے تاکہ اس محدود دنیا سے نکل کر خود کو پہچان سکے۔ اس کی بہن اسے سمجھانے کے لیے آتی ہے کہ تو بھی باپ کی طرح زمین اور مزارعوں کی ٹیم کے ساتھ موج مستی کر۔ کوئی کام کاج نہیں بس عیاشی ہی عیاشی۔ وہ شادی کے لیے بھی تیار نہیں ہوتا اور دنیا داری کے اس چکر سے بھی دور نکل جانا چاہتا ہے۔ اس کے ذہن پر ایک ہی سوال کندہ ہو چکا ہے کہ اپنی ذات کی تلاش کرنی ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"عائشہ کو پتہ نہ چلا کہ انتہائی آرام کی زندگی کو نعیم خلا سمجھ رہا ہے۔ وہ بغیر سمجھے مسکرائی، کانوں کے جھمکے اتارے، پھر سوال پوچھنے لگے۔

"ہائے اوئے ربا، چل یہ بتا تو کرنا کیا چاہتا ہے؟"

نعیم نے لمحہ بھر کو اپنے آپ کو ٹٹولا۔

"یہی تو مشکل ہے آپا۔۔۔۔ میں شاید کچھ کرنا نہیں چاہتا لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا ہوں کہ یا تو ذات سے مکمل چھٹکارا مل جائے یا پھر اپنی ذات کی پوری طرح سمجھ آ جائے تو آدمی خوشی سے زندہ رہ سکتا ہے۔۔۔۔ میں شاید ابھی کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پایا اس لیے میں کچھ کرنا نہیں چاہتا۔"(3)

انسان کی یہی سوچ اسے دوسری مخلوقات سے بالاتر بھی کرتی ہے اور اپنے خالق اللہ تعالیٰ سے بھی ملاتی ہے۔ انسان کے اشرف ہونے کا ایک اہم راز اس کے دیکھنے، سننے کی صلاحیتوں کے ساتھ اس کا صاحب عقل اور فہم و ادراک کا حامل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی، نیز اچھے برے کے درمیان تمیز کرنے پھر اپنے ارادہ سے کسی کو اختیار کرنے کی وہ قوت و صلاحیت دی جو کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔ اسی عقل و شعور پر انسان کو مکلف بنایا کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے من مانی زندگی نہ گزارے بلکہ اپنے معبود حقیقی کو پہچان کر اسی کی عبادت کرے، اس کیساتھ کسی کو شریک نہ کرے، ارشاد ربانی ہے:

"اور میں نے جن و انس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ صرف میری ہی عبادت کریں۔"(۴)

انبیائے کرامؑ کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ اللہ کی مخلوقات میں غور و تدبر معرفت ربانی کے حصول کا اہم ذریعہ ہے، جو لوگ تعصب، ہٹ دھرمی اور ضد کے بغیر سنجیدگی اور تلاش حق کی جستجو کے جذبے سے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرتے ہیں وہ راہ حق پا ہی لیتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور جن چیزوں میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے ان میں خود انسان کا اپنا وجود بھی شامل ہے۔

بانو قدسیہ کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے۔ وہ معاشرے میں موجود برائیوں کو دیکھ کر ان پر طنز ضرور کرتی ہیں۔ تصوف ان کے افسانوں کا ایک اہم موضوع ہے۔ ان کے کردار لوٹا مصلی لے کر جھاڑیوں میں نہیں جا بیٹھتے بلکہ عملی زندگی میں نظر آتے ہیں۔ "سنہری فصل" کا مرکزی کردار نعیم چوہدری اس کی اہم مثال ہے۔ وہ اپنی ذات کی تلاش میں گھریلو عیش و

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

عشرت کی زندگی کو چھوڑ کر باہر نکلتا ہے۔ زمین کو بیچ کر عملی زندگی میں خود کی ذات کو پہچاننا چاہتا ہے۔ نعیم چوہدری اپنے دوست کے ساتھ ایک خوبصورت عمارت کو دیکھتا ہے تو مادیت پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے خیال میں انسان کا اس دنیا میں آنے کا یہ مقصد نہیں تھا۔ اسے تو دنیا میں عبادت کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن یہاں آکر انسان دنیاوی چمک سے دھوکا کھا گیا اسی کے پیچھے دن رات بھاگا پھر رہا ہے اور اپنے رب کو بھول گیا ہے۔ اس کردار کے ذریعے بانو قدسیہ اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے دولت پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر طنز کرتی ہیں:

"نعیم اور بلال عموماً شام گئے آتے جب یہاں کوئی موجود نہ ہوتا۔

"یار دیکھو تو سہی کیا Pillars ہیں۔ کسی رومن بادشاہ کا محل لگتا ہے۔ کسی مسلمان آدمی کا گھر تو لگتا ہی نہیں۔"

"آج کل مسلمان کسی بادشاہ سے کم نہیں۔ سعودیہ میں سنا ہے سونے کے کموڈ لگتے ہیں غسل خانوں میں، دروازوں کی نوبیں سونے کی ہوتی ہیں بلکہ ہیرے جڑے ہوتے ہیں ان میں۔۔"(۵)

دنیا کے رنگ مقناطیسی قوت کے حامل ہیں اور اتنے پر کشش و دلفریب ہیں کہ صوفی حضرات بھی ڈگمگاتے نظر آتے ہیں۔ یہ ایک کربناک حقیقت ہے کہ دنیا میں ڈگری یافتہ اور ان پڑھ دونوں ہی عملی زندگی میں بری طرح ناکام ہو رہے ہیں۔ آخرت کا یقین بے حد کمزور اور آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کا تصور تو تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ مادی نعمتیں اور انکا تصور اس قدر غالب ہے کہ روحانی قدریں دم توڑ چکی ہیں۔ مادیت پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کی وجہ سے معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو چکا ہے اور انسان انفرادی طور پر تنہائی اور اجتماعی طور پر احساسِ محرومی کا شکار ہو رہے ہیں، ہماری بے جا خواہشات تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں اور انسان خواہشات کا پیچھا کرتا کرتا سیکڑوں خواہشات ارمان کی صورت میں لے کر اس فانی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

بانو قدسیہ نے اس سلسلے میں بالکل وہی تصور دیا ہے جو قرآن پاک میں اللہ کا حکم ہے اور جو صوفیائے کرام کے تصوف سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دنیا کی محبت کو دل میں بسانے سے تنبیہ کی ہے کہ دنیا کی محبت انسان کو یادِ الٰہی سے غافل کر دیتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ(۶)

"اے ایمان والو کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو کھیل و تماشا قرار دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ(۷)

"دنیاوی زندگی فقط ایک کھیل اور تماشا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو فریب قرار دیا ہے:

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ(۸)

"دنیا کی زندگی تمہیں ہر گز دھوکہ میں نہ ڈال دے۔"

حضرت سلطان باھو کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ ان کے مطابق دنیا کی محبت انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرتی ہے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

باھو او نیا دانی چیست پُر درد بلا
می کند از ذکر و فکرِ حق جدا(۹)

"اے باھو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا ایک پُر درد بلا ہے جو ذکر و فکر حق سے غافل کر دیتی ہے۔"

جو دنیا کو اختیار کرتا ہے وہ شیطان کی راہ پر چل نکلتا ہے دنیا کی دوستی خدا سے دشمنی ہے اگر کوئی انسان دنیا سے رغبت رکھتے ہوئے خدا سے دوستی کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ جیسا کہ سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں:

"اے باھو! دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا دوئی کا نام ہے جو شخص دوئی اختیار کرتا ہے وہ خود کو شیطان کی راہ پر ڈال دیتا ہے جو آدمی اللہ تعالی سے دوستی رکھتا ہے شیطان اس سے دشمنی رکھتا ہے اور جو شخص دنیا سے دوستی رکھتا ہے اللہ تعالی اس سے دشمنی رکھتا ہے پس معلوم ہوا کہ خواہ کوئی عالم ہو یا جاہل اگر وہ دنیا سے رغبت رکھتا ہے تو دوستی خدا تعالی میں جھوٹا ہے۔"(۱۰)

یہاں حضرت سلطان باھوؒ دنیا سے مراد دنیاوی یا مادی اشیا نہیں لیتے بلکہ ہماری توجہ اس طرف مبذول کرواتے ہیں کہ دل میں دنیا کی محبت اور اس کی لذات میں محو ہو کر رہ جانے سے انسان کی نظر اور دل اللہ تعالی کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں جو انسان کے لیے خسارے کا باعث بنتا ہے۔ دُنیا سے مراد ان کے نزدیک بدی کا جذبہ ہے اور شر کا عمل سر انجام دینا ہے، یعنی خلوص کا فقدان اور نیت کا فتور دُنیا و مادیّت پرستی ہے ۔ حضرت سلطان باھوؒ کے نزدیک حضور پاک ﷺ سے دشمنی دنیا ہی نے کی، امامین □ کو شہید کیا تو دنیا ہی نے کیا اور دنیا ہی اصحاب □ کی قاتل ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

"جان لے کہ یہ درہم دنیا ہی تھا کہ جس نے حضور ﷺ سے دشمنی و جنگ کی۔ اگر ابو جہل مفلس ہوتا تو حضور ﷺ کی تابعداری کرتا حضرت امام حسن اور امام حسین □ کو شہید کیا تو درہم دنیا ہی نے کیا اگر یزید مفلس ہوتا تو امامین □ کا تابعدار ہوتا کہ امامین پاک □ اُم المومنین حضرت فاطمۃ الزھرہ □ اور حضور ﷺ کے نور چشم اور حضرت علی کرم الوجہہ کی اولاد ہیں پس اہل دنیا ابو جہل و یزید ہے نہ کہ حضرت رابعہ بصری و بایزید بسطامی □۔ دنیا ہی قاتل اصحاب □ اور قاتل امامین □ ہے۔"(۱۱)

بانو قدسیہ نے دنیاداروں اور اللہ والوں کا موازنہ اور زندگی میں کامیابی کے گراف کو اپنے افسانے "مراۃ العروشانی" میں بہت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ لوگ جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے اور وہ غیر اسلامی معاشرت کی نقل کرنے کے چکر میں اپنی زندگی کا سکون تباہ کر بیٹھے ہیں ان کا موازنہ غریب مگر پر سکون صوفیا سے کر کے انھوں نے ایک بہترین پیغام قارئین کو دیا ہے۔ دولت کی ہوس کا شکار خاندان اپنے بچوں کی حرکات سے پریشان رہتا ہے۔ ان کا احوال دیکھیے:

"بیڈ روم کی تنہائی ملتے ہی سکندرہ سگریٹ سلگا کر کش لگاتی اور ایک آنکھ میچ کر کہتی "زاہد دوسروں کے بھی تو بچے ہیں۔ ان کو تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ تو کسی کی مانتے ہی نہیں—— آپ بھی تو انھیں کچھ نہیں کہتے زاہد—— ہمیشہ—— ہمیشہ Spoil کرتے ہیں۔"

چھوٹے سے گلاس سے وہسکی کا ننھا سا گھونٹ حلق سے گزار کر زاہد کہتا—— "تمہیں ایسے ہی فوبیا ہو گیا ہے سکندرہ—— بچوں کو دباؤ گی تو یہ پھر سوسائٹی میں آگے بڑھنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ ان میں Fight ختم ہو گئی تو یہ کمپی ٹیشن کا مقابلہ کیسے کریں گے؟

—— ان کو دوسروں کو دبانا جھڑکنا آنا چاہیے۔ یہ اس دور کی اہم ضرورت ہے خاص کر تھرڈ ورلڈ کی۔"

سکندرہ چپ تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے اندر کھد بد ہوتی رہتی۔ کچھ دیر وہ چپ رہتی پھر کیتلی کے ڈھکنے کی طرح ابلتا پانی اپنا پریشر بجانے لگتا۔"(۱۲)

اولاد کے ایسے حالات سے پریشانی کے عالم میں وہ مختلف ٹوٹکے، مختلف آراء اور مختلف رسائل و کتب دیکھنے کے بعد اپنے نئے تجربہ کار خانساماں کے کہنے پر ایک مولوی صاحب کے پاس دم کروانے کے لیے جاتی ہے تو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ اس غریب مولوی کی بچی جس کی والدہ بھی فوت ہو چکی ہے اتنی چھوٹی عمر میں اتنی سلیقہ مند ہے کہ ہر کام اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتی ہے۔ کھاتے وقت ایک دانہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیتی ہے۔ اپنے والد کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹاتی ہے اور کھانا کھانے کے بعد اللہ کا شکر بھی ادا کرتی ہے۔ مولوی صاحب کے گھر کے دینی ماحول اور بچی کی تربیت کے انداز کا نقشہ بانو قدسیہ نے اس طرح کھینچا ہے:

"مولوی مقیم کا حجرہ، صحن اور صحن میں بنا ہوا باورچی خانہ سب کچھ غریبی، بے کسی اور اداسی کا شکار تھا۔ لیکن بے ترتیبی کہیں نہ تھی۔ سکندرہ کی نگاہیں بچی پر جمی رہیں۔ وہ بڑی خاموشی اور لگن سے چاول کھانے میں مشغول تھی۔ ایک بھی دانہ تام چینی کی پلیٹ سے گر کر نیچے بچھے تولیہ پر گر جاتا تو وہ اسے اٹھانے کی کوشش کرتی۔ ایسے میں مولوی صاحب اس کی مدد کرتے اور کہتے—— —— "ناں بیٹا کھانا ضائع نہیں کرنا—— اللہ ناراض ہوتا ہے——"(۱۳)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

بانو قدسیہ نے انسانی معاشرت کی دو در جاتی تصویر کشی جس انداز میں کی ہے اس سے قاری کی جو تربیت ہوتی ہے وہ تصوف سے بھرپور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین، دنیا داری اور مال کی ہوس سے بے زاری اور آنے والی نسل کی اسلامی تربیت ان کی کہانیوں سے ملتی ہے۔ جب سکندرہ مولوی صاحب کو سو روپے کا نوٹ دینا چاہتی ہے تو مولوی مقیم نے نہ صرف اسے لینے سے انکار کیا بلکہ اپنا فلسفہ بھی بیان کر دیا:

"سکندرہ نے پرس کھول کر سو روپے کا نوٹ نکالا اور اسے مولوی صاحب کی طرف بڑھا کر بولی——"مولوی صاحب آپ زاہدہ کے لیے جوڑ خرید لیجئے گا۔"

مولوی مقیم نے اپنی نگاہیں نیچی رکھیں لیکن ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔

"لیجیے مولوی صاحب میں دے رہی ہوں خوشی کے ساتھ۔"

مولوی مقیم نے اپنی سیاہ گھونگھریالی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا——"وہ تو ٹھیک ہے بیگم صاحب کہ آپ خوشی سے دے رہے ہیں لیکن میری ضروریات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر اسے تکبر پر محمول نہ کیجئے گا لیکن جو تنخواہ مجھے مسجد کی طرف سے ملتی ہے، زاہدہ اور میرے لیے بہت ہے——"(۱۴)

یہ تصوف کے بنیادی وصف میں سے ایک ہے۔ اللہ سے لو لگانے والا شخص دنیاوی لالچ سے مبرا ہوتا ہے۔ بانو قدسیہ نے افسانہ نگاری کا حق ادا کر دیا۔ انھوں نے دونوں قسم کے لوگوں کی مکمل تصویر کشی کر دی اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا۔ ایک طرف مال و دولت کے انبار ہیں مگر زندگی میں سکون نہیں ہے۔ دوسری طرف دنیاوی ضروریات صرف زندگی گزارنے کی حد تک ہیں اور لالچ و طمع دیکھنے کو نہیں ملتا مگر زندگی پر سکون ہے۔

بانو قدسیہ کے موضوعات ان کے مشاہدے اور تجربات سے ماخوذ ہیں۔ وہ مصنوعی موضوعات اختیار ہی نہیں کرتیں۔ انھوں نے اسلام مخالف رجحانات کو اپنی زندگی کے ان پہلوؤں سے کشید کر کے طنز کیا ہے جن پہلوؤں سے خود ان کا واسطہ رہا یا جن کو انھوں نے بلاواسطہ دیکھا۔ اس کی ایک واضح مثال ان کا افسانہ "ٹیکنالوجی" ہے۔ اس افسانے میں بانو قدسیہ نے اردو شاعری کے دنیاوی موضوعات پر تنقید کی ہے۔ اسلامی موضوعات کی شاعری کو فروغ دینے کے بجائے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ اسلام پسند شعرا کو بنیاد پرست، رجعت پسند اور فنڈامنٹلسٹ کہہ کر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

"ٹیکنالوجی" کا بنیادی کردار عالم ایک غریب دوکاندار ہے۔ اسے شاعری کا شوق ہے اور خداداد صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اس کا ایک دوست اسے معروف شاعر کے پاس اصلاح کلام کے لیے لے جاتا ہے۔ تعلقات قائم ہونے کے بعد ایک روز وہ شاعر ایک مشاعرے میں شرکت کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے جانے کا کہتا ہے جس پر عالم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ مشاعرے پر جانے سے پہلے عالم نے اپنی بہترین غزلیں منتخب کیں اور استاد شاعر کو دکھانے کے لیے لے گیا جس پر اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اس کی وجہ بھی یہی تھی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ یعنی استاد شاعر اس کی اسلامی اور حب الوطنی کے موضوعات پر لکھی گئی غزلوں کو ناپسند کرتا ہے اور ایک لڑکی کا سراپا بیان کرنے والی غزل کی تعریف کرتا ہے۔ افسانے سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"بیاض کھول کر اس نے ایک نظم نکالی اور عاطف صاحب کے سامنے کر دی۔ عاطف صاحب نے عینک درست کی، سگار کو ایش ٹرے میں رکھا، صفحے پر نظریں جمائیں اور چند لمحوں بعد بولے "اوں ہوں بھائی، یہ نظم نہیں چلے گی۔ بڑے دھڑلے کا مشاعرہ ہے، کوئی معرکے کی چیز ہونی چاہیے۔"——"یہ دیکھئے جی——"——"ناں ناں بھائی، یہ نعتیہ مشاعرہ نہیں ہے—— ——ابھی تمہاری پہلی پہلی اڑان ہے کیوں بنیاد پرست، رجعت پسند فنڈامنٹلسٹ بننے لگے ہو، ساری عمر کے لیے ٹھپہ لگوالو گے—— نہ نام بنے گا نہ ترقی ملے گی——"——عالم ڈھیلا پڑ گیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے، ٹیپو سلطان پر ایک بڑی خوبصورت نظم نکالی ——"ناں بھائی ناں——یہ اسلام پرستی چھوڑ دو، ڈوبو بجاؤ گے——اسلام پرستی اچھے شاعروں کو زیب نہیں دیتی—— ——اس سے ترقی کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔"(۱۵)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

عاطف اس سے کسی اور قسم کے موضوع کی نظم کا سوال کرتا ہے تو پھر وہ اسے ایک لڑکی کے سراپا پر لکھی گئی نظم دکھاتا ہے تو اس کو پذیرائی ملتی ہے:

"کوئی جذبے سے پر——کوئی ہل چل مچانے والی گرم گرم تہلکہ ساز چیز لاتے——"عالم نے نظریں جھکالیں۔ عاطف صفحے پلٹنے لگے، بالآخر ان کی نظر نظم بسنت پر پڑی اور وہ رک گئے۔

"ہاں یہ چل سکتی ہے۔ یہ سچے جذبے کی نظم ہے، متاثر کرے گی۔ تم یہی پڑھنا——"

"لیکن سر——"

"لیکن کیا؟ ساری نظم سچے جذبوں سے جھلک رہی ہے۔ تم نے جو سراپا بیان کیا ہے اس سے ہم اپنے تخیل میں وہ لڑکی تخلیق کر سکتے ہیں۔"(۱۶)

عالم واپس گھر آگیا۔ اس کے دل میں کئی ایک سوال کھٹک رہے تھے۔ کیا وطن اور ماں کے متعلق جذبہ سیکنڈ ریٹ تھا؟ کیا موروثی جذبے جدیدیت کے چوکھٹے میں پراگندہ نظر آتے ہیں؟ کیا صرف ایسی نظم ہی متاثر کر سکتی تھی جس میں مرد اور عورت کا ربط ظاہر ہو؟ کیا کوئی اور جذبہ تعریف کے قابل نہ تھا؟

یہ سوالات دراصل بانو قدسیہ اس دور کے شعرا و ادبا سے پوچھ رہی ہیں۔ اس خطے میں اردو ادب جب پروان چڑھا تھا تو اس کی ابتدا ہی اسلامی شاعری اور صوفیانہ کلام سے ہوئی تھی۔ اسلام کے پرچار کی نیت سے آئے ہوئے اولیائے کرام نے اردو ادب کو اسلامی پیغامات ہی کے ذریعے فروغ دیا تھا۔ تو پھر آج ہمارا ادب کس طرف جا رہا ہے۔ کیا اسلامی جذبات جذبات نہیں ہوتے؟ کیا اسلامی تاریخ کے ہیروز کا سراپا بیان کرنا اردو شاعری کے بس میں نہیں؟ کیا ہماری نسلیں ہمیشہ ذہنی غلامی کا شکار ہی رہیں گی؟

بانو قدسیہ اور ان کے شوہر نے اردو ادب کو تصوف کے موضوعات اور ان کی اہمیت تحفے میں دی ہے۔ انھوں نے دنیا کی بھول بھلیوں میں مصروف انسان کو یہ موقعہ دیا ہے کہ وہ خود کو بھی پہچانے۔ ضروری نہیں ہے کہ بڑی بڑی معرف کی باتیں کی جائیں تو ہی تصوف کہلائے۔ عملی زندگی کی مثالیں لوگوں کے سامنے رکھ دی جائیں تو جو سبق ملتا ہے وہ تقریر و لفظی بازی گری سے کہیں زیادہ اثر رکھتا ہے۔ "دربدر" بانو قدسیہ کا ایسا ہی ایک افسانہ ہے جس کا مرکزی کردار ذیشان اپنے تعلیمی دور سے لے کر بڑھاپے تک دنیا کی الجھنوں میں ایسا پھنسا کہ اپنی ذات کو پہچاننے اور وقت دینے کے لیے کبھی فرصت نہ دے سکا۔ اس کی روٹین لائف کو بانو قدسیہ نے اس قدر گہرائی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان کی اپنی زندگی کی روٹین ہو۔ بانو قدسیہ کے مشاہدے اور انداز بیان نے لوگوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ انھوں نے ایک ایک کہانی کے ذریعے تصوف کا ایسا درس دیا ہے جو شاید خانقاہوں سے نہ ملے۔ "دربدر" کا ذیشان جس قدر کثیر الجہتی مقاصد میں الجھ چکا تھا اس کو بانو قدسیہ اس طرح بیان کرتی ہیں:

"ذیشان کے لیے زندگی ایک دوڑ کی شکل اختیار کرتی گئی۔۔۔ایسی دوڑ جو سیدھی نہیں تھی بلکہ کئی راستوں، کئی پگڈنڈیوں، کئی سرنگوں میں سے ہو کر نکلتی تھی۔ اپنی دستار بندی میں وہ اتنا مشغول تھا کہ اسے علم نہ ہو سکا کہ کب اس نے اکنامکس میں ایم۔اے کر لیا، کس وقت وہ اعلیٰ قسم کا ڈی بیٹر بھی ہو گیا، اسے ڈراموں میں بھی ٹرافیاں مل گئیں، فوٹو گرافی کے مقابلوں میں بھی اس کی تصویروں کو انعام ملنے لگے، کھیلوں میں بھی اس کا نام بولنے لگا، مختلف رسالوں میں اس کی غزلیں بھی چھپ چھپا کر قابل ذکر کہلانے لگیں۔"(۱۷)

غرض وہ دنیاداری کے ایسے چکروں میں پڑا کہ اپنی ذات کی پہچان ہی بھول گیا۔ اوپر بیان کردہ اقتباس میں صرف اس کے تعلیمی کیریئر کے گنجلکوں کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ اس نے پڑھائی کے چار سالوں میں تین چار پورے ادھورے عشق بھی کیے۔ نوکری کی تلاش اور زمیندارا کرنا، لڑکیوں کو فون، ڈرائیو پر لے جانا اور ہوٹل میں ٹریٹ دینا، ماں کی گرتی ہوئی صحت کے باعث ڈاکٹروں کو دکھانا، دوائیاں لانا، ٹیسٹ کروانا اور دلجوئی کرنا۔ ان مشاغل کے علاوہ وی سی آر پر فلمیں دیکھنے کا شوقین تھا اور میچ دیکھنا بھی لازمی تھا۔

دنیاداری کے ایسے معاملات میں آج کل ہر انسان ہی الجھا ہوا ہے۔ ذی شان کی الجھنیں جوانی کی بیان کی گئی ہیں وہ اسی طرح اپنی شادی شدہ زندگی میں کثیر الجہت مصروفیات میں پھنسا رہا۔ عمر کے آخری حصے میں اس کی حالت کو بانو قدسیہ اس طرح بیان کرتی ہیں:

"ذیشان سوچتا رہا کہ اس آخری عمر میں اتنے انتشار کے باوجود وہ کس اکلوتی خواہش کے دھاگے میں تسبیح کے دانے پرو سکتا ہے؟

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

کس اکلوتے در کو اس استحکام سے پکڑے کہ بقیہ زندگی کو دربدری سے چھٹکارا مل جائے؟"[۱۸]

یہ وہ سوال ہے جو بانو قدسیہ نے قارئین پر چھوڑا ہے۔ آخر ایک ہی در باقی بچتا ہے جو ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ جو انسان زندگی کے دھکے کھا کر واپس اس در پر آجاتا ہے اسے سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو بھی پہچان جاتا ہے اور من کی شانتی بھی پا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اس قدر مہربان ہوتا ہے کہ اس کے تمام دکھوں کا مداوا بن جاتا ہے۔

جب انسان کا بدن تقویٰ کے نور سے چمکنے لگتا ہے اور نفس اپنی ضد چھوڑ کر اللہ عزوجل اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکامات کے سامنے اپنا سر جھکا کر ذکر الٰہی کی چادر اوڑھ لیتا ہے اور دل دنیا کی محبت سے اچاٹ ہو کر اللہ عزوجل کی یاد کے لیے زُہد کے کوٹھے میں جا بیٹھتا ہے تو پھر ایسا بھی ہوتا ہے جیسا صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"حدثنا زهير بن حرب ،حدثنا جرير ،عن سهيل ،عن ابيه ،عن ابي هريرة ،قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن الله إذا احب عبدا دعا جبريل، فقال:"إني احب فلانا فاحبه، قال: فيحبه جبريل، ثم ينادي في السماء، فيقول: إن الله يحب فلانا فاحبوه فيحبه اهل السماء، قال: ثم يوضع له القبول في الارض، وإذا ابغض عبدا دعا جبريل، فيقول: إني ابغض فلانا فابغضه، قال: في بغضه جبريل، ثم ينادي في اهل السماء إن الله يبغض فلانا فابغضوه، قال: فيبغضونه ثم توضع له البغضاء في الارض"[۱۹]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے! میں محبت کرتا ہوں فلاں بندے سے تو بھی اس سے محبت کر، پھر جبرئیل علیہ السلام محبت کرتے ہیں اس سے اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے فلاں سے تم بھی محبت کرو اس سے، پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ بعد اس کے زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ دشمنی رکھتا ہے کسی بندے سے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے: میں فلاں کا دشمن ہوں تو بھی اس کا دشمن ہو، پھر وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، پھر منادی کر دیتے ہیں آسمان والوں میں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے دشمنی رکھتا ہے تم بھی اس سے دشمنی رکھو وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، بعد اس کے زمین والوں کے دلوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے۔"

دنیا کی فکر چھوڑ کر اپنی مصروفیات کا محور ایک اللہ کی ذات کو بنا لینے والے شخص کی خوش نصیبی کا تصور کریں کہ جو اس زمین پر ہم سب کے درمیان چل پھر رہا ہوتا ہے اور عرش عظیم پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود اس شخص سے اپنی محبت کے اسرار جبرائیل علیہ السلام کو بتا رہا ہوتا ہے اور آسمانوں میں اللہ اور اس شخص کی محبت کے چرچے ملائکہ کے مابین ہوتے ہیں۔

اللہ کی محبت انسان کو انسانوں سے بھائی چارے کا درس دیتی ہے۔ یہی واحد راستہ ہے جس پر چل کر دنیا میں امن و سکون قائم ہو سکتا ہے۔ بانو قدسیہ کے افسانوں میں معاشرے کی اصلاح کے پہلو ملتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے در سے دور کرنے والے عناصر و خواہشات کو اپنی کہانیوں میں بیان کیا ہے۔ بانو قدسیہ نے کہانی پن کے فن کو جامد بھی نہیں ہونے دیا اور تصوف کے موضوع کو بھی قاری کے گوش گزار کر دیا ہے۔ "ٹائیگر ازم" ان کا مشہور افسانہ ہے جو انسان کی دنیاوی خواہشات اور اللہ تعالیٰ سے دوری پر طنز کی کہانی لیے ہوئے ہے۔ اس افسانے میں انھوں نے جنگل کے بادشاہ شیر اور اس کی رعایا میں سے گیدڑ کی علامت کے ذریعے انسانی بے راہ روی اور کبھی نہ ختم ہونے والی خواہشات پر گہرا طنز کر کے تصوف کے وسیع میدان میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

"ٹائیگر ازم" ایک جنگل کی کہانی ہے جس کا بادشاہ شیر اپنے زخمی پنجے کے باعث حکمرانی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ ہر قسم کے جانور اپنی اپنی الگ ریاست قائم کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ تو ایسے حالات میں ایک گیدڑ اس کے پاس حکمرانی کی واپسی کے مشوروں کے ساتھ جا پہنچتا ہے۔ دونوں جانوروں کے درمیان مکالمے کے ذریعے بانو قدسیہ نے انسانوں پر تنقید کی ہے۔ گیدڑ شیر سے کہتا ہے کہ تو اب دوبارہ اپنی بادشاہت قائم نہیں کر سکتا۔ وہ اسے اس کی ناکامی کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"تو اپنی رعایا کے مزاج سے واقف نہیں۔ یہ سب کے سب ضرورت بھر کھانا نہیں چاہتے، خواہش بھر کھانا چاہتے ہیں! تو چاہتا ہے کہ سب برابر کے حق دار ہوں۔ اے زیرک بادشاہ! تجھے اتنا تو علم ہونا چاہیے تھا کہ جس کے پاس زیادہ ہوتا ہے وہ اپنی خواہش

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

کے دباو میں کچھ دینا نہیں چاہتا اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ صبر نہیں کرتا، اپنی خواہش کی وجہ سے زیادہ حاصل کرنے کا خواب دیکھتا ہے۔"(۲۰)

بانو قدسیہ نے خواہشات کے پیچھے بھاگتے انسان پر گہری چوٹ کی ہے۔ان کو اس بات کا دکھ ہوتا ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے کتنے لوگوں کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے، کتنے رشتوں کو پامال کرتا ہے، کتنے لوگوں کا خون کرتا ہے۔ تصوف انسان کو خواہشات سے پاک کرتا ہے۔اپنی ضرورت کے مطابق کھانے کی تربیت کرتا ہے۔دوسروں کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے بھاگنا حضور اکرم ﷺ کو نہایت ناپسند تھا۔اس ضمن میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماتحت ظل السمآء من الٰہ یعبد من دون اللہ تعالیٰ اعظم عند اللہ عزوجل من ھوی یتبع(۲۱)

"اس آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے معبود بھی پوجے جا رہے ہیں ان میں اللہ کے نزدیک بدترین معبود وہ خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جا رہی ہو۔"

بانو قدسیہ کو انسان کے اللہ سے دور ہونے کا گہرا دکھ رہتا ہے۔انھوں نے اپنے افسانوں میں ایسی کہانیاں پیش کی ہیں جن سے اللہ کی طرف راہیں کھلتی ہیں۔اللہ سے دور ہونے والے انسانوں پر گہرا طنز ملتا ہے۔ان کی کہانیاں قاری کو تفکر پر مجبور کرتی ہیں۔انسان کی زندگی کا اولین مقصد عبادت الٰہی تھا مگر انسان دنیا میں آکر اپنے اصل مقصد کو بھول کر عارضی ضروریات کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔اللہ کے حکم کے آگے اپنا دماغ لڑانے لگا اور گمراہیوں کی دلدل میں پھنستا چلا گیا۔"ٹائیگر ازم" کا گیدڑ شیر سے کہتا ہے:

"تجھے ایک راز کی بات بتاؤں بادشاہ"

"بتا!"

"تو نے کبھی انسان کو دیکھا؟"

"ہمارے ساتھ ہی تو جنت سے نکالا گیا ہے۔کیا میں اسے نہیں جانتا!"

گیدڑ شیر کے پاس ہو بیٹھا—"تو جانتا ہی ہے انسان کا ایک خدا تھا"

"ہاں! تھا"

"وہ انسان کی رہنمائی کے لیے پیغمبر بھی بھیجا کرتا تھا۔"

"ہاں میں نے سنا ہے"

"یہ پیغمبر بھی بھولے لوگ تھے——گلی گلی گھوم پھر کر انسان کو سمجھایا کرتے تھے، پر انسان اپنی کھوپڑی سے کام لینے کا عادی ہے۔وہ مانتا کسی کی نہیں اور جان بھی لے تو تادیر اس پر عمل نہیں کر سکتا"

"ان باتوں کا ٹائیگر ازم سے تعلق؟"

"بتاتا ہوں۔سمجھاتا ہوں۔پہلے انسان نے وہ Rituals نکال پھینکے جو ان کے مذاہب کی شناخت تھے۔پھر آہستہ آہستہ ان باتوں سے منحرف ہو گئے جو پیغمبروں نے سکھائی تھیں۔"(۲۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تھا۔اس کی پیدائش کا مقصد اللہ کی عبادت ہے۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْنِ(۲۳)

"اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے کہ میری عبادت کریں۔"

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.4 2023

آہستہ آہستہ انسان اپنے اصل مقصد کو بھولتا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی کے لیے مختلف اوقات میں مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ وہ لوگوں کو اللہ کے احکامات سناتے رہے۔ کچھ لوگ ان کی باتوں پر عمل کر کے اپنی آخرت سنوار گئے کچھ اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر منکرین میں شامل ہوتے گئے اور انھوں نے دنیا کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ بالآخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر آ کر یہ سلسلۂ نبوت رک گیا۔ اب اسلام کی تبلیغ اور انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ مسلمان امت پر عائد ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ہر سچا مسلمان اپنے اپنے میدان میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ بانو قدسیہ ایک افسانہ نگار ہیں چنانچہ انھوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے تبلیغ و اصلاح کا کام بھی انجام دیا۔

بانو قدسیہ نے زیادہ تر افسانوں میں ذاتی خواہشات کے پیچھے بھاگنے والوں معاشرے میں برائیوں کو فروغ دینے اور غریبوں پر ظلم ڈھانے والوں پر طنز کیا ہے۔ ''ٹائیگرازم'' کا گیدڑ ایک علامت ہے جس کے ذریعے بانو قدسیہ اپنا پیغام دے رہی ہیں۔ موجود دور کے مسلمانوں کی حالت کو بیان کر رہی ہیں۔ گیدڑ شیر سے کہتا ہے:

> ''میں انسانوں کی بستی سے آیا ہوں اور وہ تیرے جانوروں سے مختلف نہیں ہیں۔ پتا ہے، جنت سے نکل کر جب انسان دنیا میں آیا تو اس کے اندر ہی سے کچھ پیغمبر پیدا ہوئے۔ جب ظلم بڑھتا، فساد جڑیں پکڑتا، وہ پیغمبر اسے یہی سمجھاتا کہ خواہش کا اتباع نہ کرنا، کسی اور پر دنیا تنگ نہ کرنا، یہ خواہش ہی تمہیں مروائے گی۔ بڑے پیغمبر آئے۔ بڑے مذاہب پھیلے۔ سب کی بنیاد ایک تھی، پر کسی بستی نے ان کی مرضی کا یوٹوپیا نہ بنایا۔۔۔ تو چل کر دیکھ لے، خواہشوں کا کیسا میلہ لگا ہے بستی میں۔۔۔ ان کو پورا کرنے کے لیے ایک لمبی عمر بھی کافی نہیں ہوتی۔''(۲۴)

ہمارا نفس ہمیشہ آرام و آسائش کی چیزوں کو پسند کرتا ہے یہ آرام و آسائش کی چیزیں ہمیں محنت اور نیک عمل سے دور کرتی ہیں اور نیک عمل سے دوری انسان کو گمراہ کر دیتی ہے اور یہ گمراہی ہمیں جنّت سے دور اور جہنّم کے قریب کر دیتی ہے۔

جب انسان نفس کی پیروی سے اسلام کے احکام کی اطاعت و پیروی سے منحرف ہو جاتا ہے تو گمراہ ہو کر وہ اپنی قوتِ عمل کو گناہوں اور گمراہیوں کی سیاہ کاریوں میں صرف کرتا ہے۔ نفس کی پیروی کرتے کرتے وہ اللہ سے دوری اختیار کر جاتا ہے اُس پر نصیحت آموز بات اثر نہیں کرتی کیونکہ نفس کی پیروی کے ساتھ اُسے مفت میں غرور بھی مل جاتا ہے۔ اس طرح وہ گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاصْبِرْنَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَاتَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَالْحَيَاةِالدُّنْيَا وَلَاتُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاه ُوَ كَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (۲۵)

> ''اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہر گز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔''

تصوف صرف نظریات نہیں بلکہ عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ عملی طور پر اپنے اندر حب الٰہی پیدا کرنا۔ اطاعت الٰہی میں اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لیے سر گرداں رہنا پڑتا ہے۔ انسانیت کے کام نہ آنے والے اللہ تعالیٰ کی قربت کا حق دار نہیں ہو سکتا۔ بانو قدسیہ کا افسانہ ''ترقی کی ٹرین'' دو بھائی کی کہانی ہے۔ دونوں میں مالی لحاظ سے زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک بھائی دولت سے مالا مال ہے اور دوسرا گاؤں میں کسمپرسی کی زندگی جی رہا ہے۔ مالدار بھائی نے کبھی گاؤں والے کی مالی معاونت نہیں کی۔ کبھی کبھار جب گاؤں جاتا ہے تو اس کے بچے اپنے چچا کی حالت زار پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کی غربت پر طعنے کستے ہیں۔ غریب بھائی انتڑیوں کے کینسر میں مبتلا ہے مگر علاج کے لیے کسی اچھے ہسپتال نہیں جا سکتا۔ جب امیر بھائی اس کو ملنے کے لیے جاتا ہے تو اس وقت وہ بہت قیمتی بات کہتا ہے:

> ''سنا ہے تم بڑے عالم دین بن گئے ہو! کبھی کبھی ٹی وی پر لیکچر بھی دیتے ہو۔ دین کے سلسلے میں، میں نے دیکھا ہے تمہیں۔'' لمبی خاموشی کے وقفے کے بعد سجاد بھائی بولے۔
>
> ''ہاں جی! کچھ ایسا ہی ہے جی!''

سجاد بھائی نے ہمت کر کے آواز جمع کی۔ "فیاض! تمہیں پتا ہے فقیری کیا ہے؟"

"ہاں بھائی جی!"

سنو! فقیریس کے بھی دو پرچے ہوتے ہیں۔ ایک اے پیپر، دوسرا بی پیپر۔ پہلا پرچہ تھیوری کا ہے، دوسرا پریکٹیکل کا۔ تمہارے پہلے پرچے میں نوے فیصد نمبر ہیں۔ تھیوری کا علم بہت ہے تمہارے پاس، لیکن پریکٹیکل میں تم فیل ہو میرے بھائی۔۔۔ زیرو لیا ہے تم نے۔ بیماری میں کشف ہونے لگتا ہے، میں نے خود دیکھے ہیں تمہارے نمبر۔ دین کے امتحان میں تم فیل ہو فیل۔۔۔ فیل فیل۔۔۔!!"(۲۶)

زندگی رواں دواں رہتی ہے اور اس کی رفتار عصرِ حاضر کے تناظر میں کافی بڑھ گئی ہے، زندگی جسم و روح سے مرکب ہے اور روح کو اصل کا درجہ حاصل ہے، جب روح نکل جائے تو زندگی کی رفتار پر بریک لگ جاتا ہے، اس بھاگم بھاگ زندگی میں، انسان نے ترقی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے، فاصلوں کو سمیٹ کر دنیا کو ایک آنگن بنا دیا، آواز، رفتار اور ہوا کو مشین میں قید کرنے کی صلاحیت پیدا کر لی، گرمی میں مصنوعی سردی اور سردی میں مصنوعی گرمی کا انتظام کر لیا، آرام و آسائش کے وسائل و ذرائع کے انبار لگا دیے، چلنے پھرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ طرح طرح کی گاڑیاں ایجاد کر لیں، بلکہ اڑنے کے لیے ہوائی جہاز بنا ڈالے اور چاند پر کمندیں ڈال آیا، کھانے پینے کی چیزوں کی فہرست اتنی لمبی ہو گئی کہ گویا زندگی کھانے پینے کے لیے ہی ہے، مکانات اور بلڈنگیں ایسی ایسی بنا ڈالیں کہ زمین اور فضا تنگ پڑنے لگی اور ترقی کا یہ سفر کہاں رکے گا کہنا مشکل ہے۔ یقیناً ان ترقیات سے انسانی زندگی آسان سے آسان تر ہوتی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق کم یا زیادہ اس سے مستفید ہو رہا ہے۔

لیکن ترقی کی اس دوڑ میں ایک چیز کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی درجے میں مفقود ہو گئی ہے اور وہ ہے "سکون و اطمینان" مراد دل کا سکون اور قلب کا اطمینان ہے، لوگ جسمانی راحت و آرام تو پا رہے ہیں، لیکن قلبی اطمینان سے کوسوں دور ہیں، لوگ مال و دولت کو جمع کر رہے ہیں؛ لیکن اس سے سکون و اطمینان حاصل نہیں کر پا رہے ہیں، اسباب سکون تو انھیں قیمتاً مل جاتے ہیں، لیکن حقیقتِ سکون کے متلاشی وہ اب بھی ہیں، غیر تو خیر اس بے اطمینانی کے شکار ہیں ہی کہ وہ ایمان جیسی بنیادی دولت سے ہی محروم ہیں، جس پر ہر طرح کے اطمینان و سکون کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، اپنے مسلمان بھائی بھی بڑی تعداد میں بے اطمینانی کے شکار اور قلبی سکون سے محروم ہیں، اس کے ساتھ ساتھ پوری دنیا پریشانیوں کا شکار ہے، ہر طرف مصائب کا تذکرہ اور ہر سو تفکرات کی داستان اور ہر گلی کی نکڑ پر معاشی تنگی کے گلے شکوے ہیں۔

"کعبہ میرے پیچھے" کا مرکزی کردار واحد متکلم کی صورت میں ہے۔ وہ پاکستان کا پیدائشی ہے لیکن ساری زندگی امریکہ میں گزار چکا ہے۔ اس کے لیے یہ بہت مشکل فیصلہ ہے کہ مستقل قیام کہاں کرے۔ اس کی وجہ اس کے اندر کا سوال ہے جو اس کو ہر وقت بے چین کیے رکھتا ہے۔ اس نے امریکہ میں رہ کر خود کو بہت لبرل بنا کر دیکھ لیا۔ دوسروں کے مذہب کا احترام، اپنے مذہب سے دوری اور ایک مکمل مشینی زندگی گزار چکا۔ لیکن جو سکون قلبی ہے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ اور اس کے لیے ایک ایسا ماحول بھی درکار تھا جس میں رہ کر یادِ الٰہی سے غفلت نہ ہو۔ کوئی مصروفیت عبادتِ الٰہی میں مخل نہ ہو۔ بالآخر دنیا کے ان چکروں سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لیے وہ باقی زندگی حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں مدینہ منورہ میں گزارنا چاہتا ہے۔ امریکہ میں قیام کے دوران اپنی حالت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

"پاکستان لوٹ جانے میں جو بھی وجوہات مانع تھیں، اپنی جگہ لیکن امریکہ میں بھی میرا دم گھٹنے لگا۔ وہاں میری اندر کی زندگی ایسی تھی جیسے مکڑی کا جالا ہوا میں تیرتا ہو۔۔۔ کشتی کی ٹوٹی پتوار بے کراں سمندر پر بے مقصد پھرتی ہو۔ میں لمحے سے لمحے تک دن کو دن سے، سالوں کو نئے سال سے جوڑتا رہا۔ امریکہ صرف ضروریات زندگی کو پورا کرنے کا سفر تھا۔ ضروریات بڑھ رہی تھیں، ان کے لیے جدوجہد اور بھی روز افزوں تھی۔ دن، ہفتے، مہینے، سال معیار زندگی کو بہتر بنانے کی نذر ہوتے رہے۔"(۲۷)

دنیاداری کے لمبے چکروں سے باہر آنے کے بعد مدینہ میں پہنچنے پر اس کے جو عزائم تھے ان کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"جب میں مدینہ شریف میں اترا تو اپنے خیال میں اپنی ساری کشتیاں جلا آیا تھا۔ پاکستان اور امریکہ سے رشتہ توڑ کر یہی ایک سرزمین میرا مرجع، منبع اور واحد آسرا تھی۔ میں اپنی ذات، وجود، سائیکی، روح سب کچھ ایک چوکھٹ پر نچھاور کرنے کے لیے

حاضر ہوا تھا۔"(۲۸)

اس افسانے کا مرکزی کردار بیٹی جو امریکہ واپس جانا چاہتی ہے اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ بھی امریکہ ان کے ساتھ جائے کیونکہ اس کی خاندان کو بہت ضرورت ہے۔ان کا کاروبار بھی امریکہ میں چل رہا تھا۔ لیکن اس کا دل بھی دنیا سے اٹھ چکا تھا۔ دنیاداری اور مادیت پرستی کے پیچھے بھاگنے والی مشینی زندگی کا نچوڑ اسے حاصل ہو چکا تھا کہ اللہ تعالی کا فرمان بالکل درست ہے:

وَمَاهَذِهِ الْحَيَاةُالدُّنْيَاإِلَّالَهْوٌوَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَلَهِيَ الْحَيَوَان ۚلَوْكَانُوا يَعْلَمُونَ(۲۹)

"یہ دنیا کی زندگانی تو محض کھیل تماشا ہے البتہ آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے، کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔"

بانو قدسیہ اپنی کہانیوں میں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ لوگو! یقیناً اس دار فانی کے اندر بھیجے جانے کا ہمارا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ ہم اشرف المخلوقات رب العالمین کی اس مقدس اور وسیع و عریض سرزمین پر اس کے بتائے ہوئے تعلیمات پر عمل کریں، کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو اپنے لیے حرز جاں بنائیں، ہمہ وقت رب کی بندگی و عبادت میں اپنے آپ کو مشغول و مصروف رکھیں، ذکر و اذکار نیز تسبیح و تہلیل کے ذریعہ ہمیشہ اپنے زبان کو تر رکھیں اور اس چند روزہ زندگی کے اندر کثرت سے اعمال صالحہ کرتے رہیں جو کل قیامت کے دن ہمارے کام آنے والے ہیں۔اس لیے کہ یہ دنیا تو چند روزہ زندگی کا نام ہے اور اس کی تمام رنگینیاں ور عنائیاں محدود دنوں کے لیے ہیں، جب کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جہاں انسان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ "کعبہ میرے پیچھے" کے مرکزی کردار کی زبان سے دراصل بانو قدسیہ کے دل کی آرزوئیں نکل رہی ہیں۔ وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

"سنو طلعت! آج تک جو میں جیتا رہاں تو جو جھک مارتا رہا ہوں——— میں اب چاہتا ہوں کہ ہم روزی کی خاطر——— بہتر معیار زندگی کے لیے Underdog نہ بنے رہیں، نہ اپنے وطن میں، نہ کسی اور دیس میں۔۔۔۔ مجھے مدینہ شریف جانا ہے——
——اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنا ہے۔۔۔۔ میں چکروں سے تنگ آگیا ہوں، کسی سیدھے راستے پر چلنا چاہتا ہوں۔"(۳۰)

افسانے میں تصوف کے موضوع کو زیر قلم لانا ایک مشکل کام ہے۔ بہت تھوڑے افسانہ نگار ایسے ہیں جنھوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ بانو قدسیہ بھی ایسے ہی قلمکاروں میں سے ایک ہیں۔ وہ ایک سچی عاشق رسول اور دین دار خاتون تھیں۔ اللہ کی ذات پر ان دونوں میاں بیوی کا پورا اعتقاد تھا۔ اسی لیے ان کے افسانوں میں بھی ایسی کہانیاں ملتی ہیں جو اخلاقی تربیت کا باعث بنتی ہیں۔ انھوں نے صرف عشق مجازی کی داستانیں رقم نہیں کیں بلکہ اللہ کی وحدانیت اور بامقصد کہانیاں بھی تخلیق کی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ بانو قدسیہ، سنہری فصل، مشمولہ: دوسرا دروازہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2015ء، ص:64

۲۔ الذاریات:21

۳۔ بانو قدسیہ، سنہری فصل، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:66

۴۔ الذاریات:56

۵۔ بانو قدسیہ، سنہری فصل، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص74:

۶۔ المنافقون:28

۷۔ العنکبوت:۶۴

۸۔ لقمان:33

۹۔ حماد الرحمن، حافظ، مترجم: عین الفقر، از سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ، لاہور: سلطان الفقر پبلی کیشنز، س ن، ص:۲۶۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۳۹۵

۱۱۔ ایضاً،ص:۳۹۷

۱۲۔ بانو قدسیہ، مراۃالعروس ثانی، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:24

۱۳۔ ایضاً،ص:44

۱۴۔ ایضاً،ص:46

۱۵۔ بانو قدسیہ، ٹیکنالوجی، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:60۔61

۱۶۔ ایضاً،ص:62

۱۷۔ بانو قدسیہ، دربدر، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:108

18۔ ایضاً،ص:116

19۔ مسلم، بوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ، صحیح مسلم، کِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، حدیث:6705، لاہور: مکتبہ دارالسلام، 2007ء، ص:189

20۔ بانو قدسیہ، ٹائیگرازم، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:150

۲۱۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر للطبرانی، جلد8، حدیث : 7502

۲۲۔ بانو قدسیہ، ٹائیگرازم، ص:153

۲۳۔ الزاریات:56

۲۴۔ بانو قدسیہ، ٹائیگرازم، ص:154

۲۵۔ الکہف:28

۲۶۔ بانو قدسیہ، ترقی کی ٹرین، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:161

27۔ بانو قدسیہ، کعبہ میرے پیچھے، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:254

28۔ ایضاً،ص:256

29۔ عنکبوت:۶۴

30۔ بانو قدسیہ، کعبہ میرے پیچھے، مشمولہ: دوسرا دروازہ، ص:262